عباسی عہدِ اوّل کی شاعری

ایک مختصر جائزہ

عبدالجبار قاسمی، شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

جب ہم عربی شاعری اور اس کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ عربی شاعری بھی اپنے موضوعات اور مضامین کے اعتبار سے عرب قوم کی طرح رفتہ رفتہ ترقی کی طرف گامزن رہی اور اسی کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے مراحل طے کرتی رہی۔

زمانۂ جاہلیت میں وہ بچپن کے گیت، جوانی کے ولولے اور خود غرضی کے جذبات کی ترجمانی کرتی رہی۔ جب عرب کے افق پر اسلام اپنی روشنی کے ساتھ نمودار ہوا اور اس کی تعلیمات پھیلی تو شاعری بھی اس سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی، چنانچہ وہی شعراء جو جاہلی دور میں اپنی قوم و قبیلہ کی مدافعت ان کے حقوق کی پاسبانی اور ترجمانی کرتے تھے۔ قوم کے کارناموں کا اشعار میں تذکرہ کرکے انکو دوام بخشتے تھے اسی لئے وہ شعراء پر فخر بھی کرتے۔ اسلام کے آنیکے بعد یہی شعراء دین کے داعی بن گئے، عہد اموی میں حکومت کو استحکام بخشنے والے ستون، اپنے اپنے افکار و خیالات اور مذاہب کی حامی پارٹی اور فرقے کے موید بن گئے۔ عہد عباسی آیا تو یہی شعراء خلیفۂ وقت کے ندیم و ہمنشین حکام و امراء کی مجالس کی رونق، شراب و کباب، عشق و محبت کے گیتوں سے محفلوں کو گرمانے والے بن گئے۔ حالات نے جیسی کروٹ لی شاعری بھی اسی کے ساتھ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرتی رہی۔ حالات اور زمانے کے ساتھ ترقی کی راہوں پر گامزن رہی۔

عباسی عہد میں جہاں شعراء نے آوارگی و عریانی، فسق و فجور، غزل و ذکر، الحاد و زندقہ جیسے

گھٹیا چیزوں کو شاعری کے اندر جگہ دی وہیں آزادیٔ فکر، جدت، معانی، نادر افکار و خیالات، عمدہ اصناف، پند ونصائح اور زہدکے علاوہ بہت سی عمدہ چیزوں سے عربی شاعری کو آراستہ کیا اور عربی ادب کے سرمایہ میں قابل قدر چیزوں کا اضافہ کیا۔

اس دور کے شعراء قدیم شاعری کو سامنے رکھکر ہی طبع آزمائی کرتے تھے، علماء لغت نے خاص طور پر اس میں شعراء کی خاطرخواہ مدد کی، چنانچہ انہوں نے قدیم شاعری کے نمونے جمع کئے، نحو وصرف کے قواعد وضع کئے، فن شاعری اور علم عروض وغیرہ فنون کو مدون کیا، ان کے علاوہ ان تمام علوم و فنون کو وضع کردیا جن سے شعراء مدد حاصل کرتے تھے۔ اس طور پر جہاں نئی چیزوں سے واسطہ پڑرہا تھا، وہیں قدیم ماٰخذ بھی سامنے رہتے تھے، یہ دونوں چیزیں ملیں تو ایک تیسری چیز یعنی مولدین کی شاعری معرض وجود میں آگئی۔ یہ ایک ایسا اسلوب شاعری تھا جو لفظ، لغت اور نحوی وصرفی اعتبار سے پرانے طرز پر اور معانی وفکر کے اعتبار سے جدا انداز پر تھا۔

بشار بن برد سب سے پہلا شاعر ہے جس نے اس نئے اسلوب شاعری کو اپنایا، اس کے متعلق ابن المعتز کا قول ہے کہ "كانَ شعرہ انْقَى مِنَ الراحةِ واَصْفَى مِنَ الزجاجةِ وَاَسْلَسُ على اللسانِ من الماءِ العذب" ؎۱

(یعنی اس کے اشعار کفِ دست سے زیادہ صاف ستھرے، آئینہ سے زیادہ چمکیلے اور زبان پر شیریں پانی سے زیادہ رواں دواں ہیں)

جب اموی خلافت پر زوال کے آثار نمایاں ہونے لگے تو شعروادب کے خدوخال بھی تبدیل ہونے شروع ہوگئے کیونکہ دمشق کے بجائے عباسی خلفاء نے بغداد کو اپنا دارالخلافہ بنایا جو کہ ایران سے قریب تھا۔ چنانچہ شعروادب کے دلدادہ بغداد آنے شروع ہوگئے، بغداد کا علاقہ فطری اور قدرتی مناظر سے آراستہ ہونے کی وجہ سے شاعری کو بڑا راس آیا، شاعروں نے دل کھول کر اپنے جذبات واحساسات کو شاعری کے روپ میں ڈھالا۔ اموی عہد میں شاعری کے اندر جو بدویت اور صحرانوردی کے آثار باقی رہ گئے تھے اب ان کے بجائے شاعری تہذیب وتمدن سے آشنا

؎۱ طبقات الشعراء: ابن المعتز ص: ۲۸۔

ہوئی اور صحراؤں سے نکل کر محلوں اور درباروں کو اپنا مستقر بنانا شروع کر دیا۔

عربی شاعری اور اس کے تدریجی ارتقاء کو جب ہم سامنے رکھتے ہیں تو یہ بات اچانک ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ کس طرح بدلتے ہوئے حالات کے تحت شاعری میں بھی تبدیلیاں آتی رہیں۔

عباسی خلافت کا قیام غیر عرب عناصر کے ہاتھوں وجود میں آیا جسکی بنا پر ہر چیز پر ان کا اثر آنا ناگزیر تھا، شاعری بھی ان اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی، عربوں کے سامنے اہل فارس کی بہت سی چیزیں منتقل ہو کر آئیں فلسفہ، منطق اور استدلال کے طور و طریق آہستہ آہستہ شاعری میں بھی یہ چیزیں داخل ہونے لگیں۔

اسی طریقہ پر مسیحیت کے اثرات سے بھی عربی شاعری محفوظ نہ رہ سکی، شعراء نے بہت سی چیزوں کو اپنا لیا اور شاعری میں استعمال کرنا شروع کر دیا جیسا کہ صالح بن عبدالقدوس اور ابوالعتاہیہ کی زہدیہ شاعری میں اس کا اثر دکھائی دیتا ہے۔

مسیحیت کے علاوہ اہل ہنود اہل فارس، اہل یونان وغیرہ سے بہت سی چیزیں اور علوم وفنون عربی میں منتقل ہو گئے۔ معتزلہ کی جماعت خاص طور پر یونانی فلسفہ سے بہت زیادہ متاثر ہوئی اور اس پر خوب توجہ دی۔ بہت سے شعراء بھی ان کی مجالس میں شریک ہوئے اور ان کے افکار و خیالات سے متاثر ہو کر ان کو شاعری میں منتقل کر دیے، بشار بن برد کے بارے میں آتا ہے کہ وہ واصل بن عطا المعتزلی کی مجلسوں میں خوب آتا جاتا تھا اور ان کے افکار و خیالات کو سن کر ان کو شاعری کے روپ میں ڈھال لیتا تھا۔[1]

اسی طریقہ پر ابوتمام بھی جگہ جگہ اپنے اشعار میں متکلمین کی ترجمانی کرتا نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت شعراء متکلمین اور فلاسفہ کی مجالس میں شریک ہوتے تھے اور کتابوں کا مطالعہ بھی کرتے تاکہ نئے نئے افکار و خیالات اور نادر معانی کا استعمال کر سکیں۔

عباسی عہد کے شعراء بھی انھیں اصناف کے اندر طبع آزمائی کرتے رہے جن میں جاہلی اور اسلامی دور کے شعراء کرتے تھے البتہ حالات اور ماحول کی تبدیلی کے باعث افکار و خیالات میں

---

[1] تاریخ ادب عربی، شوقی ضیف، ج ۳ ص/ ۱۵۲۔

تبدیلی آنی ناگزیر تھی۔ آئیے اصناف سخن کے اعتبار سے ان چیزوں کا جائزہ لیں۔

مدح گوئی: جاہلی اور اسلامی دور کی مدح گوئی میں شاعر اپنے ممدوح کی سچی تعریف کرتا ہے۔ مثلاً جب وہ اس کی سخاوت، کرم، عزت نفس، بہادری وغیرہ کا تذکرہ کرتا ہے تو انھیں چیزوں کو مدنظر رکھتا ہے جن سے ممدوح حقیقت میں متصف ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف عباسی دور میں شعراء مبالغہ آرائی سے کام لینے لگے، چنانچہ جب شعراء ممدوح کی سخاوت، شرف نسب، عالی ہمتی اور بہادری وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس میں اس قدر مبالغہ سے کام لیتے ہیں کہ گویا وہ ممدوح کی منہ بولتی تصویر ہوتی ہے۔

اس دور کے مدحیہ قصائد میں ممدوح کے اوصاف کے علاوہ اس وقت کے سیاسی حالات پر تبصرہ، داخلی فتنہ و فساد، لشکر کشی اور مختلف واقعات کا تذکرہ بھی شامل ہوتا ہے۔ گویا اس دور کے مدحیہ قصائد موجودہ دور کی صحافت کا کام دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان قصائد میں مدحیہ عنصر کے ساتھ ساتھ اس دور کی ایک تاریخ بھی ہے۔

ابوالعتاہیہ خلیفہ ہارون الرشید کی تعریف میں کہتا ہے کہ:

وَرَاعٍ يُرَاعِ اللهَ فِي حِفْظِ اُمَّة ‌ ‌ ‌ يُدَافِعُ عَنْهَا الشَّرُّ غَيرِ رَقُود

تَجَافَى مِنَ الدُّنيَا وَاَيْقَنَ اَنَّهَا ‌ ‌ ‌ مُفَارِقَة لَيْسَتْ بِدَارِ خُلُود [1]

یعنی وہ اپنی رعایا کا ایسا نگہبان ہے (اللہ اس کی نگہبانی کرے) جو راتوں کو بیدار رہ کر اپنی رعایا کی پریشانیوں کا دفاع کرتا ہے۔ وہ دنیا سے کنارہ کش ہے چوں کہ اس کو معلوم ہے کہ اس دنیا کو ایک نہ ایک دن ضرور چھوڑنا ہے۔

ہجو گوئی: مدح گوئی کی طرح ہجو گوئی کے اندر بھی بہت سی چیزوں کا اضافہ ہوا، فحش گوئی، ہنسی مذاق، ہتک عزت وغیرہ، جاہلی اور اسلامی دور کی ہجویہ شاعری میں یہ چیزیں بہت کم نظر

---

[1] اغانی؛ ابوالفرج اصبہانی/ج ۴ ص/۱۰۴-

آتی ہیں ۔ حالات اور ماحول کے زیر اثر جس طریقہ پر مدحیہ شاعری میں بہت سی متنوع چیزوں کا اضافہ ہوا اسی طریقہ پر ہجو گوئی میں بھی نئی نئی چیزوں کا اضافہ ہوا۔ اس عہد میں آتے آتے یہ صنف اور تازہ دم ہوگئی، یہی وجہ ہے کہ وقت آنے پر شعراء نے خلفاء کو بھی نہیں بخشا گویا ہجو کے ذریعہ انفرادی اور اجتماعی عیوب اور برائیوں کو آشکار کر کے معاشرہ کو ان سے پاک کرنا بھی پیش نظر ہوتا تھا۔ ابوتمام انسان کو غیرت دلاتا ہے اور اس کی تصویر کشی اس طور پر کرتا ہے کہ:

صَدِقِ الَّتِيَّةَ انْ قال مجتهداً ... لا والرغيف، فذاك البرّمن قسمه

قد كان يُعجبني لوانَّ غيرَتهُ ... على جرادقه كانت على حرمه [1]

اگر شارع علیہ السلام نے کہا ہے کہ اپنی عمدہ چیزوں کو صدقہ کرو تاکہ فقط کھانے پینے کی چیزیں چونکہ بھلائی تو اسی کا حصہ ہے، پس مجھے یہ بات حیرت زدہ کرتی ہے کہ انسان اپنے حصہ کی روٹی پر کیوں اکتفا نہیں کرتا۔ اور حماد عجرد بشار بن برد کی ہجو میں کہتا ہے کہ:

واعمى يشبهُ القرد ... اذا ما عمى القرد

دنىٌّ لم يرح يوماً ... الى مجد ولم يغد [2]

یعنی وہ اندھا ہے، بشکل بوزنہ ہے، کمینہ ہے جس کو کبھی عزت اور بزرگی حاصل نہیں ہوتی۔

مرثیہ نگاری: مرثیہ نگاری عربی شاعری کی مشہور اور قدیم صنف ہے۔ جاہلی دور سے ہی شعراء اس صنف میں طبع آزمائی کرتے چلے آئے ہیں، اس دور میں سب سے زیادہ شہرت اس صنف میں خنساء نامی ایک عورت کو ملی جسکا کلام آج بھی اس صنف کا بہترین کلام سمجھا جاتا ہے۔ عہد اسلامی اور اموی میں بھی یہ صنف ترقی کی راہوں پر گامزن رہی، عہد عباسی تک آتے آتے یہ صنف بہت زیادہ ترقی کر چکی تھی اور اس کے اندر اتنی وسعت ہو چکی تھی کہ انسانوں سے تجاوز کر کے جانوروں اور اجڑے ہوئے شہروں کو بھی اس صنف نے اپنے

---

[1] دیوان۔ ابوتمام: ص: ۳۵۹۔

[2] اغانی: ابوالفرج اصبہانی، ج ۱۴/ ۳۲۹۔

دامن میں سمو لیا تھا۔ ۱؎

عباسی عہد سے قبل کے مراثی میں عام طور پر گذرے ہوئے لوگوں پر آہ و بکا اور انکے مرنے سے زمانے کے خالی ہونے پر رنج والم کا اظہار ہوتا۔ عہد عباسی میں حزن وملال کے علاوہ موت کی حقیقت میں غور وفکر، دوستوں اور رفقاء پر حزن و ملال، ایک دوست کے جدا ہونے سے کیا کیا دشواریاں آتی ہیں اور کیسے جدائی کی آگ میں جلتا ہے ان سب چیزوں کا ملا جلا اظہار ہوتا تھا۔ دیکھئے بشار بن برد اپنے دوست کی موت پر کیسے اظہار غم کرتا ہے، کہتا ہے کہ،

اشرب علی تلف الاحبۃ اننا — جزر المنیۃ ظاعنین وخفضا
قد ذقت الفتہ و ذقت فراقہ — فوجدت ذا عسل وذا جمر الغضا ۲؎

یعنی احباب کے یکے بعد دیگرے اس دنیا سے چلے جانے سے ہم موت کی سواری بن گئے ہیں۔ ان احباب کی میں الفت سے بھی لطف اندوز ہو چکا ہوں اور آج ان کی جدائی کے غم سے دوچار ہوں وہ اندھیروں میں چراغ کے مانند اور شیریں زبان والا تھا۔ اس دور کے عمدہ مرثیہ نگاروں میں ابو تمام کا نام سر فہرست ہے۔ خاص طور پر اس کے وہ مراثی جو اس نے محمد بن حمید الطوسی کے بارے میں کہے ہیں فن کا عمدہ نمونہ ہیں۔ جس وقت وہ عہد مامون میں بابک کے خلاف برسر پیکار تھا تو خوب بہادری کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا آخر کار ایک گڑھے میں گر گیا۔ اس کے باوجود صلح کی اور نہ ہتھیار ہی ڈالے بلکہ برابر مقابلہ کرتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا، ابو تمام نے اس کا مرثیہ لکھا اور اس میں اس کی بہادری، صبر و پامردی اور اپنے حزن و ملال کا بہت خوبصورت انداز میں اظہار کیا۔

اس دور کے مراثی میں ایک دوسرا رخ بھی ہمیں ملتا ہے۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے وقت سے ہی شیعان علیؓ کا رونا دھونا برابر جاری رہا، عہد عباسی میں بھی حضرت علیؓ سے عقیدت رکھنے والے (شیعان علیؓ) نوحہ خوانی کرتے تھے۔

۱؎ تفصیل کیلئے دیکھئے "تطور الرثاء فی العہد العباسی الی القرن الثالث الہجری" ناچیز کا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ۔

۲؎ المختار من شعر بشار، خالدین: ص ۲۵۔

غزل گوئی: غزل گوئی عہد جاہلی میں بشکل تشبیب اور عہد اسلامی میں ایک علیحدہ صنف کے طور پر موجود تھی۔ ہر عہد میں شعرا نے اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ البتہ عہد عباسی میں اس صنف کو شعرا نے نئی عظمتوں سے ہمکنار کیا۔ اس عہد میں شعرار نے جتنی توجہ اس صنف پر کی اور کسی صنف میں نہیں کی۔ انہوں نے انسانی جذبۂ محبت کی ترجمانی اور تصویر کشی بہترین اور عمدہ پیرائے میں کی۔ دراصل عباسی عہد میں شعرار کو جو ماحول ملا وہ غزل گوئی کے لئے بہت راس آیا اس لئے شعرا نے کھل کر اس صنف میں اپنے جوہر دکھائے۔ معاشرہ میں دوسری قوموں کے ساتھ اختلاط کی بنا پر کچھ غلط چیزیں بھی پیدا ہوگئی تھیں جسکے نتیجے میں غزل مذکر وجود میں آئی۔ دیکھئے ابو نواس اپنی محبوبہ کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار کس طریقہ پر کرتا ہے۔

دع جنانًا وحبَّها — عنك ان كنت عاقلا
لا تذكّر بنفسك — موتَ ان كان غافلا
أنتَ اِن لم تمت بها — عام لم تنج قابلا [1]

اگر تیرے اندر کچھ عقل ہے تو جنان سے کنارہ کش ہو جا، اور موت سے غافل مت ہو، اگر اس سال بچ گیا تو اگلے سال نمبر ضرور آجائے گا۔

شعری فکر وخیال کے اندر تبدیلی: افکار و خیالات میں ربط۔ عباسی عہد کی شاعری میں قصیدہ کے اندر افکار و خیالات کی ترتیب اور اس کے اجزار کے اندر ترابط کا اضافہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے جو کہ جاہلی اور اسکے بعد کی شاعری میں نہیں ملتا۔ بشار بن برد کہتا ہے کہ:

يُزهِدني في حبّ عبدة معشر — قلوبهم وفيها مخالفة قلبي
فقلت دعوا قلبي وما اختار وارتضى — فبالقلب لا بالعين يبصر ذو الحبّ
فما تبصر العينان في موضع الهوى — ولا تسمع الاذنان الا من القلب [2]

---

[1] دیوان: ابو نواس: ۳-۵۔

[2] دیوان بشار بن برد۔ ص: ۳۴۔

دیکھئے بشار بن برد کس طریقہ پر اپنے خیالات کے اندر ربط اور تسلسل قائم رکھتا ہے کہ محبت کا تعلق براہ راست دل سے ہوتا ہے اور دل کی باتیں دل ہی جانے کہ اس پر کیا گذرتی ہے آنکھوں سے ان کا ادراک نہیں ہوسکتا۔

۲۔ **فلسفہ اور حکمت:** عباسی عہد میں شاعری کے اندر منطقی اور فلسفیانہ چیزوں کا استعمال بھی شروع ہوگیا، اس دور کے شعراء نے شاعری کو ایک وسیع فکری میدان بنا دیا تھا۔ چنانچہ ابوالعتاھیہ زہدیہ فلسفہ کو اس طریقہ پر اشعار کے اندر بیان کرتا ہے:

یاعجباً للناس لو فکروا ! و حاسبوا انفسهم ابصروا

والموعد الموت ومابعده الا حشر فذاك الموعد الاکبر

عجبت للانسان فی فخره وهو غداً فی قبره یقبر [1]

کہ اگر لوگ اپنے آپ کا ذرا محاسبہ کرلیں تو سب کچھ ٹھیک ہوجائے یہ دنیا تو چند روز کا ٹھکانا ہے آخر کار ایک دن ضرور مرتا ہے، دیکھئے کتنے سہل انداز میں زہد کے فلسفے کو اشعار میں ڈھالدیا ہے۔

۳۔ نئی نئی تشبیہات و استعارات اور نت نئے خیالات و تفکرات کا استعمال بھی شروع ہوگیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ عباسی عہد شاعری کے لئے بہت موزوں اور سازگار ثابت ہوا، ماحول کچھ اس طرح کا پیدا ہوگیا تھا کہ شعراء کے اذہان خود بخود اس طرح کی چیزوں مانوس نظر آتے تھے اس بنا پر مبالغہ آمیز تشبیہات و استعارات کا استعمال ہونے لگا۔ جاہلی اور اسلامی دور کی شاعری میں یہ تمام چیزیں موجود نہ تھیں۔ ابونواس کہتا ہے:

کأن فی مثل ماتهواه قد خلقت فی رونق الحسن لا طول ولا قصر

الورد من خدها یحمر من خجل والغصن من قدها یزهو به الثمر

۴۔ **فرضی اور وھمی خیالات کا استعمال:** اس کے ذریعہ خاص طور پر مدح اور ہجو میں مبالغہ مقصود ہوتا تھا، اہل فارس کے یہاں اس قسم کی چیزیں پہلے سے موجود تھیں۔ انھیں سے منتقل ہوکر عربی شاعری میں بھی یہ چیزیں آنی شروع ہوگئیں، منصور النمیری خلیفہ کے بارے میں یوں گویا ہے:

---

[1] دیوان۔ ابوالعتاھیہ ۔ص: ۱۵۱۔

خلیفۃ اللّٰہ ان الجود اودیۃ — احلک اللّٰہ منہا حیث تجتمع

اذا رفعت امرءاً فاللّٰہ رافعہ — ومن وضعت من الاقوام متضع

من لم یکن بامین اللّٰہ معتصما — فلیس بالصلوات الخمس ینتفع [1]

خلیفہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے سخاوت کو ایسی گذرگاہ بنا دیا ہے کہ جو ہر وقت ساتھ رہتی ہے، اگر وہ کسی کا مرتبہ بلند کرنا چاہے تو اللہ بھی اسکو بلند کرتا ہے اور جسکو وہ ذلیل کرنا چاہے تو اللہ بھی اسکو ذلیل کر دیتا ہے۔ اور جو خلیفہ کے دامن سے وابستہ نہیں ہے تو اس کو پنجگانہ نمازیں بھی کوئی فائدہ نہیں دیں گی۔

شعری الفاظ اور اسلوب میں تغیر و تبدل! حالات کے پیش نظر شاعری کے الفاظ اور اسلوب میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے، جب حالات بدلتے ہیں، تہذیب و تمدن کے اندر تبدیلیاں آتی ہیں تو اس کی وجہ سے نت نئے الفاظ اور نئی نئی چیزیں معاشرہ کے اندر پیدا ہوجاتی ہیں، شاعری چونکہ معاشرہ کی ترجمان ہوتی ہے اس لئے اس کا متاثر ہونا ناگزیر ہے۔ یہی صورت عباسی عہد میں پیش آئی۔ اگرچہ حکومت و اقتدار عربوں کے ہاتھوں میں رہا لیکن اصلاً اس کو اہل فارس نے جنم دیا اس کی جڑوں کو مضبوط تر بنایا اس لئے ان کا اثر ہونا لازمی تھا، اسی کے ساتھ مختلف اقوام کے اختلاط سے ایک نیا معاشرہ اور نئی تہذیب وجود میں آئی جو نہ بالکلیہ عربی تھی اور نہ عجمی بلکہ دونوں سے مرکب تھی، چنانچہ شاعری کا اسلوب الفاظ اور تراکیب کے اندر واضح تبدیلیاں رونما ہونی شروع ہوگئیں۔

۱۔ مشکل الفاظ کا ترک کرنا: غریب الفاظ، مشکل تراکیب اور پیچیدہ عبارات کو شاعروں نے یکسر ترک کردیا، اس کے مقابلہ میں سہل الفاظ، آسان تراکیب اور عمدہ عبارتوں کا استعمال شروع کردیا خاص طور پر ابوالعتاہیہ نے شاعری میں سہل پسندی پر بہت زور دیا اور اپنی شاعری میں اس کا عملی نمونہ پیش بھی کیا، اچھی شاعری وہی سمجھی جاتی ہے جس کے اندر زیادہ غموض

---

[1] الشعر والشعراء۔ ابن قتیبہ: ص۔ ۴۳۶۔

اور پیچیدگی نہ ہو۔ عباس ابن الاحنف کا قول ہے کہ!

لاخبری اللہ دمع عینی خیرا　　　وجزی اللہ کل خیر لسانی

نم دمعی فلیس یکتم شیئا　　　ورأیت اللسان ذاکتمان [1]

برا کرے اللہ میری آنکھوں کے آنسوں کا کہ وہ کوئی چیز چھپا کر نہیں رہنے دیتے۔ اور بھلا کرے اللہ میری زبان کا چونکہ وہ بہت سی چیزوں کو چھپائے رکھتی ہے۔

۲۔ عجمی الفاظ کی کثرت: دوسری تبدیلی جو الفاظ کے اندر رونما ہوئی وہ یہ کہ عجمی الفاظ کا استعمال بکثرت ہونے لگا۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ بہت سی چیزیں ایسی بھی وجود میں آرہی تھیں جو عربی یا عربوں کے اندر موجود نہ تھیں، جن سے شاعری بھی متاثر ہوئی۔ ابو نواس کا ایک شعر دیکھئے:

وعکفنا علی المدامۃ فیہ　　　فرأینا النہا فی الطرجہار

طرجہار فارسی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی پیالہ کے آتے ہیں۔

ابن المعتز کا ایک شعر دیکھئے۔

لاتخلط الماء وشاب فی قدح　　　بصفاء ماء طیب الورد

دوشاب کے معنی فارسی زبان میں پیالہ کے آتے ہیں مراد یہاں پر نبیذ تمر ہے۔

اس طرح کے اور ہزاروں اشعار مل جائیں گے جن میں عجمیت کا اثر ہے۔

۳۔ آسان اور واضح اسلوب کا استعمال: تیسرا تغیر شاعری میں یہ ہوا کہ اسلوب آسان اور واضح استعمال ہونے لگا، قدیم طرز شاعری یعنی ذکر اطلال و دیار کے بجائے محلات، باغات اور دوسری ان تمام چیزوں کا تذکرہ ہونے لگا جو نئی تہذیب کے زیر اثر پیدا ہو رہی تھیں۔ ابو العتاہیہ کی پوری شاعری اسی کا نمونہ پیش کرتی ہے، مشکل سے مشکل مسائل کو بھی نہایت آسان اسلوب میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

شعری اوزان اور قوافی میں اضافات: عباسی عہد میں کچھ ایسے اوزان کا بھی اضافہ ہوا جو پہلے سے شاعری میں موجود نہ تھے۔ خلیل بن احمد نے جب علم عروض کو وضع

---

[1] دیوان: ابن الاحنف۔ ص: ۱۹۵ -

کیا تو کچھ اوزان کا اضافہ بھی کیا مثلاً وزن المضارع۔ وزن المقتضب۔

وزن المضارع میں آخری تفعیلہ ہمیشہ حذف رہتا ہے اور اس کے اجزار مفاعیلن، فاعلاتن مفاعیلن ہیں۔ ابو العتاہیہ نے اس وزن میں بہت سے اشعار کہے ہیں، اسکا یہ شعر دیکھئے۔

اَیَا عُتبَ مایَضُر   کِ اِنْ تطلقی صفادی [۱]

وزن المقتضب۔ یہ وزن وزن المضارع کے مقابلہ میں زیادہ اثر انداز ہوتا ہے اس لئے یہ وزن زیادہ مقبول ہوا۔ انھیں اوزان کے ساتھ ایک اور وزن متدارک کے نام سے وجود میں آیا۔ جو خلیل کے شاگرد اخفش کی ایجاد ہے۔ اگرچہ اخفش نے اس وزن کو کوئی نام نہیں دیا البتہ اس کو پہچانا اور طبع آزمائی بھی کی۔ دیکھئے:

ابکیتُ علی طَلَل طربًا   نشجاك واحزنك الطلل

سب سے زیادہ جس شاعر نے اس کی اتباع کی وہ ابو العتاہیہ ہے، کسی قاضی کے بارے میں کہتا ہے:

هَمّ القاضی بیت یطرب   قال القاضی لماطولب

مافی الدنیا إلّا مذنب   هذا عذر القاضی واقلب [۲]

خلیل نحوی نے اور بھی اوزان کی ایجاد کی لیکن بعد میں آنے والے شعرا نے انکو اختیار نہیں کیا۔ چنانچہ ایک وزن مُعْتَمَلہ کے نام سے ایجاد کیا تھا جو کہ وزن منسرح کا عکس ہے۔ اس کا وزن مفعولاتن مستفعلن، فاعلن ہے۔

اس کے علاوہ ایک وزن المواليا کے نام سے وجود میں آیا تھا۔ اس سے متعلق ایک روایت بھی ہے کہ جس وقت برامکہ پر مصائب کا نزول ہوا تو خلیفہ ہارون رشید کے خوف کی وجہ سے کسی کو بھی ان کے بارے میں کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی، لیکن جعفر بن یحیٰی البرمکی کی ایک وفادار باندی نے ہمت کرکے ان کے بارے میں کچھ اشعار کہہ ڈالے اور ہر شعر کو المواليا پر ختم کیا، جسکی بنا پر اس کا نام ہی وزن مواليا پڑ گیا [۳]

---

[۱] الفصول والغايات - ابو العلا المعری - ص/ ۱۳۲۔

[۲] مروج الذهب۔ المسعودی - ج ۳/ ص/ ۳۶۰ -

[۳] النجوم الزاهرة۔ ابن تغری ج ۲ ص: ۱۸۶ -

اوزان کے علاوہ قوافی کے اندر بھی اضافات ہوئے چنانچہ مزدوج اور مسمطات وغیرہ قوافی کی ایجاد اسی عہد میں ہوئی۔

مزدوج : اس کے اندر قافیہ ہمیشہ ایک ہی نہیں رہتا بلکہ مختلف بھی ہو جاتا ہے۔ اس کی نسبت ولید بن یزید کیطرف کی جاتی ہے۔ البتہ عباسی عہد میں اسکو بہت مقبولیت حاصل ہوئی بڑے بڑے شعراء نے اس کو اپنایا۔ چنانچہ ابان بن عبدالحمید، بشار بن برد اور ابو العتاہیہ وغیرہ نے اس میں طبع آزمائی کی۔ یہ مزدوج عام طور پر چار مصرعوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ پہلا دوسرا اور چوتھا ایک ہی قافیہ پر ہوتا ہے۔ تیسرا کبھی موافق کبھی مخالف ہوتا ہے۔ بشار کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

رَبَابة رَبّة البيت تصُبُّ الخلَّ في الزيت

لها عشر دجاجات وديك حَسَن الصوت [1]

ان میں سب کا قافیہ ایک ہی ہے، اور جسکا تیسرا مختلف ہو اس کی مثال میں ابو نواس کے اشعار دیکھئے کہتا ہے کہ۔

ادر الكاس واعجل من جلس واسقِنا ما لاخ نجم في الغلس

قهوة كرخية مشمولة تنغّصُ الوحشة عنّا بالأنس [2]

شعراء کے تراجم میں اس کی اور بھی بہت سی مثالیں مل جائیں گی۔

مسمطات : اس کا اطلاق ایسے قصائد پر ہوتا ہے جو مختلف ادوار پر مشتمل ہوتے ہیں اور ہر دور چار یا اس سے زیادہ مصرعوں سے مرکب ہوتا ہے۔ اور ہر دور کے مصرعوں کا حرف رَوی ایک ہی ہوتا ہے، بخلاف آخری شعر کے اس کا وزن مختلف ہوتا ہے۔

مسمط سمط سے بنا ہے جس کے معنی بار کی لڑی کے آتے ہیں۔ جسیں مختلف قسم کے موتی ہوتے ہیں۔ اسی طریقہ پر یہ اشعار ہوتے ہیں۔ مسمط کی مثال میں ابو نواس کا یہ ضربہ دیکھئے:

سُلافُ دَنّ كشمسِ دُجنِ كدمع جفنٍ. كخمر عدْنِ

طبيخ شمسٍ كلونِ ورسٍ ربيبُ فرسٍ. حليف سجنِ

يا مَنْ لحاني على زماني اَللَّهو شاني. فلا تلمني [3]

---

[1] اغانی: ابوالفرج الاصبہانی، ج ۳ ص ۱۶۳، [2] دیوان۔ ابو نواس ص ۲۹۹
[3] دیوان: ابو نواس: ص ۳۴۶ -